کیا تکافل کا نظام اسلامی ہے؟

ہمارے ہاں تکافل یعنی اسلامی انشورنس کا جو نظام رائج کیا گیا ہے وہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا وضع کیا ہوا ہے اور وقف اور اس کے چار قواعد پر مبنی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

ومن هنا ظهرت الحاجة الى ان تكون هذه المحفظة على اساس الوقف فان الوقف له شخصية اعتبارية فى كل من الشريعة والقانون

اس سے یہ ضرورت ظاہر ہوئی کہ انشورنس کا فنڈ وقف کی بنیاد پر ہونا چاہئے کیونکہ وقف کو قانون و شریعت دونوں میں قانونی واعتباری شخصیت حاصل ہے۔

وقف کے چار قواعد یہ ہیں:

1- نقدی (روپے) کا وقف درست ہے۔
2- واقف اپنے کئے ہوئے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے۔
3- وقف کو جو تبرع یعنی چندہ کیا جائے وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے خود وقف نہیں بنتا۔
4- وقف کیلئے ناگزیر ہے کہ وہ بالآخر ایسی مد کیلئے ہو جو کبھی ختم نہ ہو مثلاً فقراء کیلئے ہو۔

وقف کے ان چار قواعد پر مبنی نظام تکافل کی تفصیلی شکل یہ ہے

(نوٹ: عربی عبارت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے رسالہ تاصیل التامین التکافلی علی اساس الوقف والحاجة الداعیة الیه کی ہے)۔

1- تکافل یا اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف کا ایک فنڈ قائم کرتی ہے۔ جو اولاً تو فنڈ میں شریک ان لوگوں کیلئے ہوگا جو فنڈ کی شرائط کے مطابق کسی حادثاتی نقصان کا شکار ہوئے ہوں اور بالآخر نیکی کے ختم نہ ہونے والے کاموں کیلئے ہوگا۔ فنڈ کے سرمایہ کو مضاربت پر دیا جائے گا اور حاصل ہونے والے نفع کو فنڈ کے مقاصد میں خرچ کیا جائے گا۔

تنشئ شركة التامين الاسلامى صندوقا للوقف و تعزل جزءا معلوما من راس مالها يكون وقفا على المتضررين من المشتركين فى الصندوق حسب لوائح الصندوق و على الجهات الخيرية فى النهاية...... فيبقى هذا الجزء المعلوم من النقود مستثمرا بالمضاربة وتدخل الارباح فى الصندوق لاغراض الوقف.

2- وقف فنڈ کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ اس کی خود اپنی معنوی شخصیت ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ مالک بنتا ہے اور مالک بناتا ہے۔

ان صندوق الوقف لا يملكه احد، و تكون له شخصية معنوية يتمكن بها من ان يتملك الاموال ويستثمرها و يملكها حسب اللوائح المنظمة لذلک.

3- انشورنس میں دلچسپی لینے والے فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کو چندہ دے کر فنڈ کے ممبر بن سکتے ہیں۔

ان الراغبين فى التامين يشتركون فى عضوية الصندوق بالتبرع اليه حسب اللوائح

4- انشورنس پالیسی لینے والے وقف فنڈ کو جو چندہ دیں گے وہ ان کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا خود وقف نہ ہوگا۔ لہٰذا اس رقم کی اس طرح سے حفاظت واجب نہ ہوگی جس طرح وقف رقم کی واجب ہوتی ہے۔ وقف فنڈ کے فائدے کے لئے چندہ کی رقم کو بھی نفع بخش کاروبار میں لگایا جائے گا اور چندے کی اصل رقم کو اس کے منافع سمیت نقصانات کی تلافی کیلئے اور وقف کے دیگر مقاصد کیلئے خرچ کیا جا سکے گا۔

ما يتبرع به المشتركون يخرج من ملكهم ويدخل فى ملک الصندوق الوقفى، وبما انه ليس وقفا و انما هو

مملوک للوقف ...... فلا یجب الاحتفاظ بمبالغ التبرع کما یجب فی النقود الموقوفة، و انما تستثمر لمصالح الصندوق و تصرف مع ارباحها لدفع التعویضات واغراض الوقف الاخری.

5-فنڈ کا شرائط نامہ ان شرائط کی تصریح کرے گا جن پر پالیسی لینے والے بیمہ کی رقم کے حقدار بنیں گے۔

تنص لائحة الصندوق علی شروط استحقاق المشترکین للتعویضات و مبالغ التبرع التی یتم به الاشتراک فی کل نوع من انواع التعیین.

6-پالیسی لینے والوں کو بیمہ کی جو رقم ملے گی وہ ان کے چندے کا عوض نہیں ہوگی بلکہ وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کے حقدار بننے کی وجہ سے ملے گی۔

ما یحصل علیه المشترکون من التعویضات لیس عوضا عماتبرعوا به، وانما هو عطاء مستقل من صندوق الوقف لدخولهم فی جملة الموقوف علیهم حسب شروط الوقف.

7-وقف فنڈ کی ملکیت میں مندرجہ ذیل رقمیں ہوں گی:

i-وقف نقدی سے حاصل ہونے والا نفع

ii-پالیسی لینے والوں کے چندے

iii-چندوں سے حاصل ہونے والے منافع

اور وقف فنڈ کو اختیار ہے کہ وہ ان رقموں میں وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق تصرف کرے۔لہٰذا وقف فنڈ خالص نفع میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے مثلاً

i-وہ اس خالص نفع کو احتیاط کے طور پر اپنے پاس رکھے تاکہ آئندہ سالوں میں ہونے والے اتفاقیہ نقصان اور خسارے سے بچ سکے یا

ii-وہ پورے خالص نفع کو یا اس کے ایک حصہ کو فنڈ کے ممبران میں تقسیم کرے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف فنڈ خالص نفع کے تین حصے کرے۔

i-ایک حصہ احتیاط کے طور پر آئندہ پیش آنے والے نقصانات کی تلافی کیلئے رکھ لے۔

ii-ایک حصہ ممبران میں تقسیم کردے تاکہ مروجہ انشورنس سے فرق ہوسکے۔

iii-ایک حصہ نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تاکہ فنڈ کا وقف ہونا بھی واضح رہے۔

حیث ان الصندوق الوقفی مالک لجمیع امواله بما فیه ارباح النقود الوقفیة والتبرعات التی قد مها المشترکون مع ماکسبت من الارباح بالاستثمار فان للصندوق التصرف المطلق فی هذه الاموال حسب الشروط المنصوص علیها فی لوائحه. فللصندوق ان یشترط علی نفسه بما شاء بشان ما یسمی الفائض التامینی فیجوز ان یمسکه فی الصندوق کا حتیاطی لما قد یحدث من النقص فی السنوات المقبلة، ویجوز ان یشترط علی نفسه فی اللوائح ان یوزعه کلا او جزء ا منه علی المشترکین.

و ربما یستحسن ان یقسم الفائض علی ثلاثة اقسام: قسم یحتفظ به کا حتیاطی، و قسم یوزع علی المشترکین لتجلیة الفرق الملموس بینه و بین التامین التقلیدی بشکل واضح لدی عامة الناس، و قسم یصرف فی وجوه الخیر لابراز الصفة الوقفیة للصندوق کل سنة.

9-انشورنس کمپنی وقف فنڈ کا انتظام کرے گی اور اس کے مال کو بڑھائے گی،اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

i-انتظام: انشورنس کمپنی وقف کے متولی کی طرح انتظام کرے گی یعنی پالیسی لینے والوں سے چندے وصول کرے گی، حقداروں کے نقصان کا تدارک کرے گی، خالص نفع کو فنڈ کی شرائط کے مطابق تقسیم کرے گی اور فنڈ کے حسابات کمپنی کے حسابات سے الگ رکھے گی۔

ان سب خدمات پر کمپنی اجرت لے گی۔

ii-مال بڑھانا: اس کے لئے کمپنی وکیل بالا جرت بن کر کام کرے گی یا مضارب کی طرح کام کرے گی اور اپنے حصہ کا نفع لے گی۔

ان شركة التامين التى تنشئ الوقف تقوم بادارة الصندوق واستثمار امواله. اما ادارة الصندوق فانما تقوم به كمتول للوقف فتجمع بهذه الصفة التبرعات و تدفع التعويضات و تتصرف فى الفائض حسب شروط الوقف و تفصل حسابات الصندوق من حساب الشركة فصلا تاما و تستحق لقاء هذه الخدمات اجرة. واما استثمار اموال الصندوق فيمكن ان تقوم به كوكيل للاستثمار فتستحق بذلك اجرة او تعمل فيها كمضارب فتستحق بذلك جزءا مشاعا من الارباح الحاصلة بالا ستثمار.

10-اس طرح کمپنی تین طریقوں سے فائدہ حاصل کرے گی۔

i-اپنے سرمایہ کے منافع سے

ii-وقف فنڈ کے انتظام کی اجرت سے

iii-مضاربت میں نفع کے حصہ سے

وعلى هذا الاساس يمكن ان تكسب الشركة عوائد من ثلاث جهات: اؤلا باستثمار راس مالها، و ثانيا باجرة ادارة الصندوق، و ثالثا بنسبة من ربح المضاربة

تکافل یا اسلامی انشورنس کے نظام کا حاصل

اسلامی انشورنس کمپنی اپنے کچھ سرمایہ سے ایک وقف فنڈ قائم کرتی ہے۔اس فنڈ کی شرائط میں سے ہے کہ وقف فنڈ کے جن ممبران کا کسی حادثہ میں نقصان ہوجائے اس فنڈ کے منافع میں سے ان کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔فنڈ کا ممبر بننے کیلئے اس میں ایک خاص چندہ دینا ہوگا جو ہر نوع کی انشورنس کے مطابق ہوگا۔

اسلامی انشورنس کمپنی ایک تو وقف فنڈ کا انتظام کرتی ہے اور اس سے متعلقہ تمام خدمات کو اجرت پر سرانجام دیتی ہے اور دوسرے وقف فنڈ کی وقف شدہ اور مملوکہ رقموں پر مضارب کے طور پر کام کرتی ہے اور نفع میں سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے۔

اس طرح سے کمپنی کو ہونے والی آمدنی کی تین جہتیں ہیں (1) فنڈ سے متعلقہ خدمات فراہم کرنے پر اجرت (2) اپنے سرمایہ کا نفع اور (3) مضاربت میں نفع کا حصہ۔

تکافل یا اسلامی انشورنس کے نظام کی بنیادیں باطل ہیں

ہم نے پوری دیانتداری سے اس نظام کا مطالعہ کیا اور اس پر غور وفکر کیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے اس کو وقف کے جن قواعد پر اٹھایا ہے ہم نے ان قواعد کو اس کا ساتھ دیتا ہوا نہیں پایا۔مولانا مدظلہ نے ان قواعد کو آپس میں جوڑ کر تکافل کا نظام بنایا ہے حالانکہ غیر منقولہ جائیداد میں وہ اگرچہ جڑتے ہیں لیکن خصوصاً نقدی کے وقف میں ان کا جڑنا محل نظر ہے۔مولانا مدظلہ نے مروجہ انشورنس کے اسلامی متبادل کی تحصیل میں تسامح سے کام لیا ہے حالانکہ ضرورت تھی کہ معاشیات کے موجودہ ترقی یافتہ دور میں تکافل کے نظام کی بنیادیں خوب مضبوط ہوتیں۔

پہلی باطل بنیاد

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا ذکر کردہ پہلا قاعدہ کہ ''نقدی کا وقف درست ہے'' اور دوسرا قاعدہ کہ ''واقف اپنی زندگی میں بلاشرکت غیرے اپنے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے۔'' یہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن ان کو جوڑنا درست نہیں ہے۔

مولانا دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں

فى الذخيرة: اذا وقف ارضا او شيئا آخر و شرط الكل لنفسه او شرط البعض لنفسه ما دام حيا و بعده للفقراء

قال ابو يوسف رحمه الله تعالیٰ الوقف صحيح و مشائخ بلخ رحمهم الله اخذوا بقول ابی يوسف و عليه الفتوی ترغيبا للناس فی الوقف...... و لو قال ارضی هذه صدقة موقوفة تجری غلتها علی ما عشت ثم بعدی علی ولدی و ولد ولدی و نسلهم ابدا ما تنا سلوا فان انقرضوا فهی علی المساكين جاز ذلک كذا فی خزانة المفتين"

ذخیرہ میں ہے، جب کوئی شخص کوئی زمین یا کوئی اور شے وقف کرے اور یہ شرط کرے کہ جب تک وہ زندہ ہے وہ کل وقف کو یا اس کے ایک حصہ کو اپنے استعمال میں رکھے گا تو ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وقف صحیح ہے اور مشائخ بلخ نے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ ہے تا کہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت رہے......اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میری یہ زمین صدقہ وقف ہے اور جب تک میں زندہ ہوں میں اس کی آمدنی لوں گا اور میرے بعد میری اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر اور میری پوری نسل پر جب تک وہ چلے، پھر جب میری نسل ختم ہو جائے تو وہ مساکین پر وقف ہے تو جائز ہے۔ **خزانة المفتين** میں ایسے ہی ہے۔

ہم کہتے ہیں

واقف کا یہ شرط کرنا کہ زندگی بھر وقف کردہ شے سے صرف وہی نفع اٹھائے گا بلکہ اپنی اولاد اور پوری نسل کیلئے بھی یہ شرط کرنا غیر منقولہ جائیداد میں تو متصور ہے کیونکہ وہ جائیداد خود ابدی و دائمی ہوتی ہے کبھی ضائع نہیں ہوتی جبکہ نقدی اور دیگر منقولہ اشیاء میں ابدیت و دوام کی توقع ہی نہیں ہوتی بلکہ نقدی میں تو خطرہ ہوتا ہے کہ کاروباری نقصان کے باعث اصل رقم کچھ یا کل ہی جاتی رہے جبکہ دیگر منقولہ اشیاء مثلاً بہت سے برتن، کتابیں اور مصاحف وغیرہ تیس چالیس سال کے استعمال سے بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور کسی دوسرے کے کام کی نہیں رہتیں۔ علاوہ ازیں وہ کسی حادثہ کا شکار بھی ہو سکتی ہیں اور چوری بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے منقولہ اشیاء میں صرف یہی صورت ممکن ہے کہ آدمی ان کو وجوہ خیر میں فوری وقف کر دے اور شرط کر دے کہ وہ خود بھی دوسرے کے ساتھ نفع اٹھائے گا یا وقف کے منافع کا حقدار ہونے کی وجہ سے دوسرے حقداروں کے ساتھ شریک ہوگا۔

ہماری بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں

1- اگرچہ منقولہ اشیاء میں وقف درست ہے لیکن وہ خلاف قیاس محض استحسان کی وجہ سے درست ہے یعنی حدیث کی وجہ سے، تعامل کی وجہ سے اور فقراء کیلئے نفع ہونے کی وجہ سے۔

لا يجوز وقف ما ينقل ويحول...... وقال محمد يجوز حبس الكراع و السلاح و معناه و وقفه فی سبيل الله و ابو يوسف معه فيه علی ما قالوا وهو استحسان. والقياس ان لا يجوز لما بيناه من قبل (من شرط التابيد والمنقول لا يتأ بد)

وجه الاستحسان الآثار المشهورة ای فی الكراع و السلاح

وعن محمد انه يجوز وقف ما فيه تعامل من المنقولات كالفاس والمر والقدوم والمنشار والجنازة و ثيابها والقدر والمرجل والمصاحف وعند ابی يوسف لا يجوز لان القياس انما يترک بالنص والنص ورد فی الكراع والسلاح فيقتصرعليه و محمديقول القياس قد يترک بالتعامل كما فی الاستصناع وقد وجد التعامل فی هذه الاشياء (هدايه)

جب منقولہ اشیاء میں وقف کے ثبوت کی بنیادیں ہی جدا ہیں تو ان میں غیر منقولہ جائیداد کے وقف کے ایک حکم یعنی وقف علی النفس کو جاری کرنا یا تو قیاس سے ہوگا یا استحسان سے ہوگا۔ استحسان صرف گھوڑے اور ہتھیار میں ہے کسی اور منقولہ شے میں نہیں ہے۔ رہا قیاس تو وہ ممکن ہی نہیں کیونکہ منقولہ و غیر منقولہ میں فارق موجود ہے یعنی یہ فرق ہے کہ غیر منقولہ جائیداد ابدی و دائمی ہوتی ہے اور منقولہ شے عارضی اور غیر دائمی ہوتی ہے اور قربت مطلوبہ و مقصودہ تک اس کا پہنچنا مخدوش و مشکوک ہوتا ہے۔

تنبیہ:

یہاں ہم نے قربت مطلوبہ و مقصودہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف علی النفس کی صورت میں دو قسم کی قربتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو وقف

ہونے کی وجہ سے لازمی ہے ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

لان الوقف یصح لمن یحب من الاغنیاء بلا قصد القربة وھو وان کان لا بد فی آخرہ من القربة بشرط التابید وھو بذلک کالفقراء و مصالح المسجد (فتح القدیر)

ترجمہ: قربت کے قصد کے بغیر وقف اغنیار کے حق میں بھی صحیح ہوتا ہے اگر چہ اغنیاء کے بعد ابدیت کی شرط کے ساتھ قربت کے لئے مثلاً اس کا فقراء کیلئے ہونا یا مصالح مسجد کیلئے ہونا ناگزیر ہے۔

اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقد یقال ان الوقف علی الغنی تصدق بالمنفعة لان الصدقة کماتکون علی الفقراء تکون علی الاغنیاء. وان کان التصدق علی الغنی مجازا عن الھبة عند بعضھم و صرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر (البحر الرائق ص 187 ج 5)

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ غنی پر وقف منفعت کا صدقہ ہوتا ہے کیونکہ صدقہ جیسے فقراء پر ہوتا ہے اسی طرح اغنیاء پر بھی ہوتا ہے۔ اگر چہ بعض حضرات کے نزدیک غنی پر صدقہ کا مطلب ہبہ وہدیہ ہوتا ہے اور ذخیرہ میں تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ بھی ایک نوع کی قربت اور نیکی ہے جو فقیر کے ساتھ نیکی سے کمتر درجہ کی ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں

کہ غنی پر صدقہ والی بات اگر چہ فی نفسہ کمزور ہے لیکن اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا فائدہ فقط اتنا ہوگا کہ وقف علی النفس یا وقف علی الاغنیاء کے وقف ہونے کی ایک توجیہ بن جائے گی لیکن اس کے باوجود بالآخر اس کا ابدی طور پر فقراء پر یا مصالح مسجد پر وقف ہونا لازمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقراء پر صدقہ قربت مقصودہ ہے جبکہ اغنیاء پر صدقہ اگر قربت بھی ہو تو وہ اس درجہ کی نہیں کہ اس کو آخرت کے اعتبار سے مقصود کہا جا سکے بلکہ عام طور سے امیروں کو دینے کو نیکی سمجھا ہی نہیں جاتا سوائے اس کے کہ ساتھ میں پائی جانے والی اچھی نیت نیکی اور ثواب کا باعث ہوتی ہے۔

اس پر کوئی کہے کہ صاحب ہدایہ نے تو اس کو بھی قربت مقصودہ کہا ہے جب کہ وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید میں لکھتے ہیں۔

ولان مقصودہ القربة و فی الصرف الی نفسہ ذلک قال علیہ الصلاۃ والسلام نفقة الرجل علی نفسہ صدقة

ترجمہ: وجہ یہ ہے کہ واقف کا مقصود قربت و نیکی ہوتی ہے۔ اور اپنے اوپر خرچ کرنا بھی نیکی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کا اپنے اوپر خرچ کرنا صدقہ ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ضروری خرچ کرتا ہے اور ثواب پاتا ہے لیکن فقط اپنے اوپر خرچ کرنے کیلئے کوئی وقف نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا شرعی ثبوت ہے ورنہ تو بہت سے لوگ اپنی بہت سی چیزوں کو وقف قرار دے دیں۔ وقف میں شے اپنی ملک سے نکلتی ہے اور بالآخر فقراء میں یا وجوہ خیر میں جاتی ہے اور انہی کے اعتبار سے وقف کیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے لوگوں کو وقف علی النفس کی ترغیب دی جاتی ہے کہ اپنا دنیوی فائدہ بھی ہے اور بالآخر ثواب بھی ہے۔

قال الصدر الشھید والفتوی علی قول ابی یوسف و نحن ایضا نفتی بقولہ ترغیبا للناس فی الوقف...... و فی الحاوی القدسی المختار للفتوی قول ابی یوسف ترغیبا للناس و تکثیرا للخیر (البحر الرائق ص 220 ج 5)

ترجمہ: صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فتویٰ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور ہم انہی کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت ہو...... حاوی قدسی میں ہے کہ فتوے کے لئے مختار قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تاکہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت ہو اور خیر کی صورتیں زیادہ بنیں۔

اس سے واضح ہوا کہ وقف کرنے میں اصل مقصود فقراء یا دیگر وجوہ خیر ہیں خود اپنی ذات یا اغنیاء اصل مقصود نہیں بلکہ وہ تو بطور وسیلہ ہیں۔

2-امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو کہ غیر منقولہ جائیداد میں وقف علی النفس کے قائل ہیں منقولہ اشیاء میں سے گھوڑوں کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کے بھی قائل ہیں لیکن اس کے باوجود ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ثم اذا عرف جواز وقف الفرس والجمل فی سبیل الله فلو وقفه علی ان یمسکه ما دام حیا ان امسکه للجهاد جاز له ذلک لانه لولم یشترط کان له ذلک لان لجاعلی فرس السبیل ان یجاهد علیه و ان اراد ان ینتفع به فی غیر ذلک لم یکن له ذلک و صح جعله للسبیل یعنی یبطل الشرط و یصح وقفه فتح القدیر ص 219 ج 6)

ترجمہ: پھر جب گھوڑے اور اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا تو اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ گھوڑے کو وقف کیا کہ وہ اپنی زندگی بھر اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

(i) اگر اس پر خود جہاد کرنے کیلئے اس کو اپنے پاس رکھا تو یہ اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرے تب بھی اس کو حق حاصل ہے کہ خود اس پر جہاد کرے۔

(ii) اور اگر وقف کرنے والے کی مراد یہ ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنے دیگر ذاتی کاموں میں استعمال کرے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے اور اس کا وقف تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل اور کالعدم ہوگی۔

اس جزئیہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ منقولہ اشیاء میں وقف اسی وقت جائز ہوگا جب وہ وجوہ خیر یا فقراء میں فوری اور نقد وقف ہو وقف علی النفس کے بعد نہ ہو۔ اور اگر وقف علی النفس کیا ہو تو وقف تو ہو جائے گا لیکن علی النفس نہ ہوگا۔

لیکن تنقیح فتاوی حامدیہ میں اس کے مخالف دو فتوے ملتے ہیں۔ اس لئے ہم پہلے ان کو نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنی بات کہیں گے۔

1- فی فتاوی الشلبی وقف البناء بدون الارض صحیح والحکم به صحیح لکن فی وقفه علی نفسه اشکال من جهة ان الوقف علی النفس اجازه ابو یوسف ومنعه محمد. وقف البناء بدون الارض من قبیل وقف المنقول ولا یقول به ابو یوسف بل محمد فیکون الحکم به مرکبا من مذهبین وهو لا یجوز لکن الطرسوسی ذکر ان فی منیة المفتی ما یفید جواز الحکم المرکب من مذهبین و علی هذا یتخرج الحکم بوقف البناء علی نفسه فی مصرفی اوقاف کثیرة علی هذا النمط حکم بها القضاء السابقون و لعلهم بنوه علی ما ذکرنا من جواز الحکم المرکب من مذهبین او علی ان الارض لما کانت متقررة للاحتکار نزلت منزلة ما لو وقف البناء مع الارض من جهة ان الارض بید ارباب البناء یتصرفون فیها بما شاء وا من هدم و بناء و تغییر لا یتعرض احد لهم فیها ولا یزعجهم عنها وانما علیهم غلة توخذ منهم کما افاده الخصاف.

ترجمہ: فتاویٰ شلبی میں ہے زمین کے بغیر محض عمارت کا وقف صحیح ہے اور اس کا حکم بھی صحیح ہے لیکن اس کو اپنے اوپر وقف کرنے میں اس اعتبار سے اشکال ہے کہ اپنے اوپر وقف کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جائز کیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ناجائز کیا ہے۔ زمین کے بغیر محض عمارت کا وقف منقول کا وقف ہے جس کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قائل نہیں بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں۔ لہٰذا اس کا حکم دو مذہبوں سے مرکب ہوا اور یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن طرسوسی نے ذکر کیا کہ منیۃ المفتی میں ایسی بات مذکور ہے جس سے دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز معلوم ہوتا ہے اور اسی پر مصر میں بہت سے اوقاف میں ان کے اوپر عمارت کے وقف کا حکم نکلتا ہے۔ گزشتہ قاضیوں نے اسی طرح سے فیصلہ دیا۔ ان کا فیصلہ یا تو اس پر مبنی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز ہوتا ہے یا اس پر مبنی تھا کہ زمین احتکار کی تھی یعنی تعمیر کو برقرار رکھنے کیلئے سرکاری زمین کرایہ پر لی گئی تھی **(الاستحکار عقد اجارة یقصد به استبقاء الارض مقررة للبناء والغرس او لاحدهما.** ردالمختار ص428ج) تو گویا عمارت زمین سمیت وقف تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ زمین عمارت کے مالکان کے قبضہ میں ہوتی ہے اور وہ عمارت میں جو چاہے تصرف کرتے ہیں گراتے ہیں، بناتے ہیں اور اس میں تبدیلی کرتے ہیں اور حکومت ان سے کچھ تعرض نہیں کرتی بس ان سے زمین کا کرایہ وصول کرتی رہتی ہے۔ اس زمین میں مالکان کی وراثت بھی چلتی ہے اور وارثوں میں تقسیم بھی ہوتی ہے۔

وذکر فی اوقاف الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارة فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم

السلطان عنها من قبل انا رايناها فی ایدی اصحاب البناء توارثوها و تقسم بينهم لا يتعرض لهم السلطان فيها ولا يزعجهم وانما له غلة يا خذها منهم و تداولها خلف عن سلف و مضى عليها الدهور وهی فی ایدیهم يتبايعونها و يؤجرونها و تجوز فيها و صاياهم و يهدمون بناء ها و يعيدونه و يبنون غيره فكذلک الوقف فيها جائز (رد المحتار ص 428 ج 3)

2- وفي موضع آخر من الوقف من فتاویٰ الشلبي ما نصه فاذاكان وقف الدراهم لم يرو الا عن زفر ولم يروعنه فی وقف النفس شئ فلا يتأتى وقفها على النفس حينئذ على قوله لكن لو فرضنا ان حاكما حنفيا حكم بصحة وقف الدراهم على النفس هل ينفذ حكمه فنقول النفاذ مبنی على القول بصحة الحكم الملفق و بيان التلفيق ان الوقف على النفس لا يقول به الا ابو يوسف وهو لا يرى وقف الدراهم و وقف الدراهم لايقول به الا زفروهو لا يرى الوقف على النفس فكان الحكم بجواز وقف الدراهم على النفس حكما ملفقا من قولين كما ترى. و قد مشى شيخ مشائخنا العلامة زين الدين قاسم فی ديباجة تصحيح القدوری على عدم نفاذه و نقل فيها عن كتاب توفيق الحكام فی غوامض الاحكام ان الحكم الملفق باطل باجماع المسلمين و مشى الطرسوسی فی كتابه انفع الوسائل على النفاذ مستندا فی ذلک لما راه فی منية المفتی.

ترجمہ: فتاویٰ شلبی ہی میں ایک اور مقام پر یہ ذکر ہے کہ دراہم کا وقف صرف امام زفر رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے جبکہ ان سے اپنے اوپر وقف کے بارے میں کچھ منقول نہیں ہے لہٰذا ان کے قول پر دراہم کا وقف علی النفس نہیں بنتا لیکن اگر ہم فرض کریں کہ کسی حنفی حاکم نے دراہم کے وقف علی النفس کے صحیح ہونے کا حکم جاری کیا تو کیا اس کا حکم نافذ ہوگا۔؟

ہم کہتے ہیں نافذ ہونا اس پر مبنی ہے کہ تلفیق شدہ حکم کو صحیح مانا جائے اور تلفیق کا بیان یہ ہے کہ وقف علی النفس کے قائل امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو دراہم کے وقف کے قائل نہیں جبکہ دراہم کے وقف کے قائل امام زفر رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو وقف علی النفس کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا دراہم کا وقف علی النفس ایسا حکم ہے جو دو قولوں کی تلفیق سے حاصل ہوا ہے۔ علامہ زین الدین قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے ديباجه تصحيح القدوری میں لکھا ہے کہ وہ حکم نافذ نہ ہوگا۔ وہیں انہوں نے کتاب توفيق الحكام فی غوامض الاحكام سے نقل کیا کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تلفیق شدہ حکم باطل ہوتا ہے جبکہ طرسوسی نے اپنی کتاب انفع الوسائل میں حکم کے نافذ ہونے کو اختیار کیا اس وجہ سے جو منیۃ المفتی میں مذکور ہے)۔

پھر علامہ ابن عابدین رحمتہ اللہ علیہ حکم کے نافذ ہونے کے حق میں لکھتے ہیں:

ورايت بخط شيخ مشائخنا ملا على التركمانی فی مجموعته الكبيرة ناقلا عن خط الشيخ ابراهيم السوالاتی بعد هذه المسئلة المنقولة عن فتاویٰ الشلبی ما نصه اقول و بالجواز افتى شيخ الاسلام ابو السعود فی فتاواه و ان الحكم ينفذ و عليه العمل.

ترجمہ: میں نے اپنے شیخ المشائخ ملا علی ترکمانی کے بڑے مجموعہ میں ان کے ہاتھ کی تحریر دیکھی۔ انہوں نے شیخ ابراہیم سوالاتی کی تحریر نقل کی جس میں فتاویٰ شلبی کے ذکر کردہ مسئلہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ شیخ الاسلام ابوسعود نے اپنے فتاویٰ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ کہ حکم نافذ ہے اور اس پر عمل ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن عابدین رحمتہ اللہ علیہ نے علامہ قاسم رحمتہ اللہ علیہ کی اس بات کا کہ تلفیق شدہ حکم مسلمانوں کے اجماع سے باطل ہے یہ جواب دیا کہ

المراد بما جزم ببطلانه ما اذاكان من مذاهب متباينة...... بخلاف ما اذاكان ملفقا من اقوال اصحاب المذهب الواحد.

جس تلفیق شدہ حکم کے بطلان کا انہوں نے جزم کیا اس سے مراد مختلف مذاہب سے ملا کر بنایا ہوا حکم ہے......بخلاف اس صورت کے جب تلفیق شدہ حکم ایک ہی مذہب کے اصحاب کا ہو۔

ہم کہتے ہیں

علامہ شلبی رحمتہ اللہ علیہ کے دونوں فتوے محل نظر ہیں۔

1- ان کے مذکورہ بالا دونوں ہی فتوے اس پر مبنی ہیں کہ دو قولوں سے ترکیب و تلفیق شدہ حکم جبکہ وہ دونوں قول ایک مذہب کے ہوں جائز ہوتا ہے۔ تلفیق میں جو دو قول جمع کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

i- نقدی و منقولات کا وقف جائز ہے امام محمد و امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک

ii- وقف علی النفس جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک

لیکن امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ تو منقولات اور نقدی میں وقف ہی کے قائل نہیں تو لامحالہ ان میں وقف علی النفس کے بھی قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک وقف علی النفس مطلق نہیں ہے مقید ہے غیر منقولات کے ساتھ۔ اس کو مطلق لینے کی کوئی وجہ اور دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک دراہم کے وقف کا جواز مقید ہے اس کے ساتھ کہ وہ فقراء پر ہو علی النفس نہ ہو۔ کیونکہ وہ وقف علی النفس کے قائل ہی نہیں ہیں۔

اب دو قول یوں بنے:

i- غیر منقولات کا وقف علی النفس جائز ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔

ii- نقدی و منقولات کا وقف فقراء پر جائز ہے امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک۔

دونوں قولوں کو ملائیں تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ غیر منقولات کا وقف علی الفقراء و علی النفس جائز ہے اور منقولات و نقدی کا وقف صرف علی الفقراء جائز ہے۔ اس سے تلفیق نہیں بنتی۔ کیونکہ تلفیق میں ہر ایک کے حکم کو پورا بعینہ لیا جاتا ہے یہ نہیں کہ مقید کو مطلق لے لیا اور مطلق کو مقید کر کے لے لیا۔ غرض علامہ طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ کا بتایا ہوا تلفیق شدہ حکم حقیقت میں تلفیق کا نتیجہ نہیں بلکہ منقولات کو غیر منقولات کے وقف علی النفس پر قیاس کا نتیجہ ہے جس کے بارے میں ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

2- پہلے فتوے میں علامہ شلبی رحمتہ اللہ علیہ نے طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ

وعلى هذا يتخرج الحكم بوقف البناء على نفسه في مصر في اوقاف كثيرة على هذا النمط حكم بها القضاة السابقون ولعلهم بنوه على ما ذكرنا من جواز الحكم المركب من مذهبين او على ان الارض لما كانت متقررة للاحتكار نزلت منزلة ما لو وقف البناء مع الارض

ترجمہ: اور اسی پر مصر کے بہت سے اوقاف میں ان کے اوپر عمارت کے وقف کا حکم ملتا ہے۔ گزشتہ قاضیوں نے اسی طرح سے فیصلہ دیا۔ شاید ان کا فیصلہ یا تو اس پر مبنی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز ہوتا ہے یا اس پر مبنی ہے کہ زمین احتکار کی تھی تو گویا عمارت زمین سمیت وقف کی گئی تھی۔

ہم کہتے ہیں

طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ نے بات کو اس طرح سے ذکر کیا ہے گویا گزشتہ قاضی بہت سے اوقاف میں زمین کے بغیر عمارت کے وقف علی النفس کے جواز کا فیصلہ دیتے رہے ہیں حالانکہ اور حضرات ان کی طرف صرف عمارت کے وقف کے جواز کے فیصلہ کی نسبت کرتے ہیں اس کے وقف علی النفس کے فیصلہ کی نہیں۔

ابن ہمام رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

و في الفتاوى لقاضي خان وقف بناء بدون ارض قال هلال لا يجوز انتهى لكن في الخصاف ما يفيد ان الارض اذا كانت متقررة الاحتكار جاز فانه قال في رجل وقف بناء دار له دون الارض انه لا يجوز. قيل له فما تقول في حوانيت السوق ان وقف رجل حانوتا منها؟ قال ان كان الارض اجارة في ايدي القوم الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها فالوقف جائز...... و تداولها الخلفاء ومضى عليها الدهور وهي في ايديهم...... فافاد ان ما كان مثل ذلك جاز وقف البنيان فيه و الا فلا (فتح القدير ص 217 ج 6)

ترجمہ: فتاوی قاضی خان میں زمین کے بغیر صرف عمارت کے وقف کے بارے میں ہلالؒ کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔لیکن خصاف کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین جب احتکار کے لئے ہو تو جائز ہے کیونکہ خصافؒ نے کہا کہ جو شخص زمین کے بغیر صرف عمارت کو وقف کرے تو یہ جائز نہیں۔ان سے پوچھا گیا کہ آپ بازار کی دکانوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جب کوئی ان میں سے کوئی دکان وقف کر دے۔انہوں نے فرمایا اگر زمین دکان والوں کے پاس کرایہ یا لیز پر اس طور سے قبضہ میں ہو کہ وہ جو چاہتے ہیں بناتے ہیں حکومت ان کو وہاں سے کئی کئی زمانوں تک بے دخل نہیں کرتی تو وقف جائز ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو صورت اس کی مثل ہو اس میں بھی وقف جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

ایسے ہی علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں خصاف رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

3- پہلے فتوے میں طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ نے زمین کے بغیر عمارت کے وقف علی النفس کے جواز کی دو ممکنہ وجوہات بتائی ہیں۔اور اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ سابقہ قاضیوں نے اپنے فیصلہ کی بنیاد ان ہی دو میں سے کسی ایک کو بنایا ہے، گویا علامہ طرسوسی خود تردد میں ہیں کہ واقعی وجہ کیا ہے؟ اور ان دونوں وجھوں کا حال ہم بیان کر چکے ہیں کہ تلفیق بنتی نہیں اور گزشتہ حکام کا فیصلہ زمین کے بغیر عمارت کے صرف وقف کے جواز کے بارے میں ہے وقف علی النفس کے جواز کے بارے میں نہیں۔اور اگر وقف علی النفس کے جواز کے حکم کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ احتکار والی زمین میں موجود عمارت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ زمین بھی گویا وقف ہی ہوتی ہے۔لہٰذا خالص منقول میں وقف علی النفس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

3- علامہ شلبی کے دوسرے فتوے کا مدار بھی طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ پر اور ان کے اس قول پر ہے کہ نقدی میں وقف علی النفس حکم ملفق ومرکب ہے۔اس تلفیق کی حقیقت ہم اوپر بتا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ طرسوسی رحمتہ اللہ علیہ کی بات کو علامہ شلبی اور شیخ الاسلام ابو سعود اور علامہ شامی رحمہم اللہ نے بھی اختیار کیا ہے تو اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ جب انہوں نے دلیل ذکر کی ہے تو اب دلیل کی حقیقت کو دیکھا جائے گا اشخاص کو نہیں۔

2- دوسری باطل بنیاد، یہ سود اور قمار پر مبنی ہے

اوپر ہم مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی یہ دو باتیں ذکر کر چکے ہیں جو دوبارہ ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔

i- ان الوقف له شخصية اعتبارية فى كل من الشريعة والقانون

قانون اور شریعت دونوں ہی میں وقف کو قانونی واعتباری شخصیت حاصل ہے۔

ii- ما يتبرع به المشتركون يخرج من ملكهم و يدخل فى ملك الصندوق الوقفى و بما انه ليس وقفا و انما هو مملوك للوقف

پالیسی ہولڈر جو چندہ دیتے ہیں ان کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے خود وقف نہیں بنتا۔

مولانا تقی عثمانی کے دارالعلوم کراچی کے ایک استاد ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب کچھ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقف چونکہ خود شخص قانونی ہے اور دئے گئے عطیات براہ راست وقف کی ملکیت میں چلے جاتے ہیں اور وقف پھر اپنے طے کردہ ضوابط کی روشنی میں کلیمز (Claims) کی ادائیگی کرتا ہے اس لئے وقف کا نظام زیادہ قابل اطمینان ہے۔'' (تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ ص100)

''جو لوگ وقف کی بنیاد پر بننے والے پول کو تبرع (Donate) کرتے ہیں وہ تبرع وقف کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی وقف مثلاً مدرسہ یا قبرستان کیلئے چندہ دینا۔جب کوئی چیز وقف کی ملکیت میں آجاتی ہے تو وقف اپنے قواعد کی روشنی میں وقف کیلئے چندہ دینے والے کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔گویا وقف کو چندہ دینے والے کیلئے وقف سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً کسی مدرسہ کو چندہ دیتا ہے تاکہ اس میں مسلمانوں کے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں......تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ اپنے بچے کو بھی اس مدرسہ میں تعلیم دلوائے۔یہ اس لئے کہ وہ وقف اسی مقصد کیلئے قائم ہوا ہے۔

اسی طرح وقف کی بنیاد پر جو تکافل قائم ہوتا ہے وہ خاص قسم کے افراد یعنی ایسے افراد کیلئے قائم ہوتا ہے جنہیں مخصوص قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے تو

اس وقف کوتبرع کے طور پر رقم دینے والا اسی طرح پول سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح مدرسہ یا قبرستان کو چندہ دینے والا (تکافل ص 101)

ہم کہتے ہیں

تکافل میں وقف فنڈ کو چندہ دینے اور اس سے نقصان کی تلافی حاصل کرنے کے اس نظام پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں جن کو خود صمدانی صاحب نے ذکر کیا ہے اور پھر ان کا جواب دیا ہے۔ لیکن ان کے جواب ناکافی ہیں اور دیے گئے نظام پر اعتراض باقی رہتے ہیں۔ ان کے جواب نقل کرنے کے بعد ہم ان پر اپنا تبصرہ بھی دیں گے۔

پہلا اشکال

(مدرسہ یا کنویں کی) جو مثالیں اوپر ذکر کی گئیں ان کے اندر وقف سے فائدہ حاصل کرنے کیلئے یہ شرط نہیں کہ وقف سے فائدہ اٹھانے والے شخص نے بھی کچھ نہ کچھ عطیہ ضرور دیا ہو بلکہ مثلاً جب کوئی کنواں وقف ہو گیا تو اب اس سے ہر پیاسا شخص پانی پی سکتا ہے چاہے اس نے کنویں کو خرید کر وقف کرنے میں کوئی حصہ ملایا ہو یا نہ ملایا ہو۔ (بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خواہ اس نے کنویں کے اخراجات کیلئے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ ....عبدالواحد) تکافل ص 102, 103۔

صمدانی صاحب کا جواب

’’وقف کے اندر اس بات کی شرعاً گنجائش ہے کہ وہ کسی مخصوص طبقے یا افراد کیلئے ہو مثلاً کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں فلاں باغ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ اس کا پھل صرف فلاں رشتہ داروں کو یا میری اولاد کو دیا جائے یا میری زندگی میں مجھے ملتا رہے اور میرے بعد فلاں بستی کے فقراء اس سے فائدہ اٹھائیں......

وقف کرنے والا وقف کے مصالح کے پیش نظر وقف کے دائرہ کو مخصوص افراد تک محدود رکھنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ تکافل کمپنی میں وقف کی بنیاد پر قائم پول کو اگر بالکل عام کر دیا جائے اور ہر شخص کو اس سے اپنا رسک کور (risk cover) کرنے کی اجازت دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس پول میں ہرگز اس کی گنجائش (Capacity) نہیں لہٰذا ضروری ہوگا کہ یہ وقف کسی مخصوص طبقے کیلئے ہو۔ پس اگر واقفین شروع میں یہ شرط لگا دیں کہ اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس وقف کو عطیہ (Donation) دیں تو یہ قید (Restriction) لگانا ناجائز نہیں ہوگا۔ (تکافل ص 103)

ہم کہتے ہیں کہ

1- اشکال یہ تھا کہ اوپر دی گئی مثالوں میں مثلاً کنویں سے پانی پینے میں یا مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دلوانے میں یہ شرط نہیں ہے کہ آدمی نے وقف کو کچھ چندہ دیا ہو جبکہ تکافل کے وقف فنڈ میں یہ شرط ہے لہٰذا وہ تکافل کی مثالیں نہ بنیں۔ ان کو تکافل کی مثالیں بنانے کیلئے صمدانی صاحب کو دو میں سے ایک کام کرنا تھا۔

i- یا تو وہ کہتے کہ کنویں سے پانی پینا بھی چندے (یا قیمت) کے ساتھ مشروط ہو سکتا ہے اور مدرسہ میں تعلیم بھی چندے (یا فیس) کے ساتھ مشروط ہو سکتی ہے جو معاوضہ ہے۔

لیکن صمدانی صاحب نے اس جواب سے اعراض کیا تا کہ وہ عقد معاوضہ کے چکر میں نہ پھنس جائیں کیونکہ پانی اور تعلیم تو روپے کے عوض میں ہو سکتے ہیں لیکن انشورنس کا کلیم تو خود روپوں میں ہوتا ہے اور روپوں کے معاوضہ میں کمی بیشی سود ہے۔

ii- یا وہ یہ کہتے کہ جب وقف میں اتنی گنجائش نہیں تو جیسے مدرسہ میں طلبہ کی تعداد ایک حد تک ہی ہو سکتی ہے اسی طرح چندے کی شرط کے بغیر کسی مخصوص علاقہ کے لوگوں کو اس کی سہولت مہیا کی جاتی یا پہلے رابطہ کرنے والے سو افراد کو وقف سے فائدہ پہنچایا جاتا۔

لیکن صمدانی صاحب نے اس جواب کو بھی اختیار نہیں کیا کیونکہ اس طرح تکافل کمپنی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

اس لئے صمدانی صاحب نے اپنے دعوے پر جو اشکال ظاہر کیا اس کے جواب میں بھی صرف دعوے کو ذکر کر دیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ''وقف کو تبرع کے طور پر رقم دینے والا اسی طرح پول سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح مدرسہ یا قبرستان کو چندہ دینے والا'' اور اس پر ہونے والے اشکال کا جواب یہ دیا کہ وقف کرنے والا چندے کی شرط لگا سکتا ہے۔ لہٰذا صرف وقف کو چندہ دینے والا ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ واقف کے شرط لگانے سے ہی شرط وجود میں آتی ہے اور انتفاع مشروط بنتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ ممثل مشروط نہیں ہے جبکہ ممثل لہ مشروط ہے حالانکہ ممثل کو بھی مشروط کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے جواب سے صمدانی صاحب نے کنی کترائی ہے۔

2- صمدانی صاحب کے یہ الفاظ

''اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس وقف کو عطیہ دیں۔''

اس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ عقد معاوضہ (Commutative deal) ہے کیونکہ وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر آپس میں عوض کے طور پر لین دین کرتے ہیں اور

i- عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں۔

وقف شخص قانونی ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ''تم مجھے چندہ دو گے تو حادثہ کی صورت میں میں تمہیں تلافی کی رقم دوں گا۔ اور تھوڑا چندہ دو گے تو تھوڑی تلافی کروں گا زیادہ دو گے تو زیادہ کروں گا۔''

اگر مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور صمدانی صاحب اس پر اصرار کریں کہ چندہ تو ہدیہ و عطیہ ہے اس میں عوض کا معنی نہیں اور پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی وقف کی شرط کی وجہ سے ہے تو یہ عجیب چکر ہے۔ ان کی بات اس وقت تو متصور ہو سکتی ہے جب کوئی محض نیکی کا کام سمجھ کر وقف فنڈ میں چندہ دے اور تکافل یا انشورنس کا اس کو کچھ پتہ نہ ہو یا اس کا اس سے آئندہ انتفاع کا واقعی کچھ ارادہ نہ ہو۔ پھر اتفاق سے حادثہ کی صورت میں اس کو تکافل کمپنی نے یا کسی اور نے بتایا کہ تم تو فلاں وقف فنڈ سے نقصان کی تلافی کے حقدار ہو۔ لیکن جہاں پہلے ہی باہمی معاملہ کے سارے شرائط و ضوابط طے کئے جاتے ہوں اور کوئی بھی عوض کے لالچ یا توقع کے بغیر تکافل کمپنی کے دفتر میں قدم نہ رکھتا ہو اور پوری لکھت پڑھت کی جاتی ہو وہاں اس قسم کے حیلے بہانے معاملہ کی حقیقت کو نہیں بدلتے ورنہ تو معاشیات کے اس انتہائی ترقی یافتہ دور کے لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ معاشیات میں اسلام کے پاس سوائے حیلے بہانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

دوسرا اشکال

صمدانی صاحب لکھتے ہیں ''وقف کا یہ طریقہ بھی ہے کہ جو زیادہ عطیہ دے (یعنی زیادہ پریمیم دے) وہ اس شخص سے زیادہ نقصان کی تلافی کا حقدار ٹھہرتا ہے جو اس کے مقابلے میں کم عطیہ دے کہ وہ کم نقصان کی تلافی کا حقدار ٹھہرتا ہے گویا عطیہ (پریمیم) کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی زیادتی کرنا اسے عقد معاوضہ کے قریب کر دیتا ہے۔'' (تکافل 102)

صمدانی صاحب کا جواب

پالیسی ہولڈرز تبرع (عطیہ) کے طور پر وقف پول میں جو رقوم جمع کرائیں اس میں کمی زیادتی کی بنیاد پر کم یا زیادہ نقصان کی تلافی اگر پالیسی ہولڈر کا قانونی حق نہ ہو بلکہ وقف کی طرف سے صرف وعدہ ہو تو پھر یہ معاملہ بلاشبہ عقد معاوضہ میں داخل نہیں اس لئے کہ عقد معاوضہ میں ہر فریق کو اپنا معاوضہ لینے کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ (تکافل ص 103)

ہم کہتے ہیں

تکافل کمپنی کے وقف فنڈ کی شرائط میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس وقف کو چندہ و عطیہ دیں گے۔ اور ضابطہ ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع یعنی واقف کا شرط لگانا ایسا ہے جیسے شارع کا فرمان (تکافل ص 100) جس کا دوسرے لفظوں میں یہ

مطلب ہے کہ واقف کی شرط کو قانونی حیثیت حاصل ہے محض اخلاقی نہیں اور اس کی بنیاد پر چندہ و پریمیم ادا کرنے والے وقف سے فائدہ اٹھانے کے قانونی حقدار ہوئے اور وہ قانونی بنیادوں پر اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

جناب صمدانی صاحب بھی ان کے قانون حق کے احتمال کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس صورت میں وہ عجیب تاویل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''لیکن اگر تبرع کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی اور زیادتی پالیسی ہولڈرز کا قانونی حق ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اس بنیاد پر اپنے قانونی حق کا دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں وقت وقف پول کو اتنی رقم کا پریمیم دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے۔ یہ صورت یقیناً ناجائز ہے کیونکہ یہ بات اسے عقد معاوضہ میں داخل کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ساری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو کمرشل انشورنس میں موجود ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اپنے دیئے گئے تبرع کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کا دعویٰ نہ کرے بلکہ وقف کے اپنے طے شدہ قواعد و ضوابط کو بنیاد بنا کر اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں ان قواعد کی بنیاد پر وقف کی طرف سے تلافی نقصان کا حقدار ہوں...... پالیسی ہولڈر شرعاً اس طریقے پر اپنا قانونی حق استعمال کر سکتا ہے اور اس کا یہ قانونی حق اس صورت کو عقد معاوضہ میں داخل نہیں کرتا۔ (تکافل ص 105, 104)

صمدانی صاحب کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کا اگر قانونی حق بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کے استعمال کا مذکورہ دوسرا طریقہ جائز ہے جو معاوضہ کے مفہوم سے خالی ہے۔

ہم کہتے ہیں

جب واقف کی شرائط کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور پالیسی لینے کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ وقف پر لازم ہو جاتا ہے کہ شرط پوری ہونے پر وہ پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی کرے۔ اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ پالیسی ہولڈر کو عقلاً و شرعاً حق ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنا قانونی حق حاصل کرے خواہ صمدانی صاحب کی ذکر کردہ پہلی صورت سے یا ان کی ذکر کردہ دوسری صورت سے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ واقف کی شرائط کا تعلق دو چیزوں سے قائم ہوا ہے ایک پالیسی ہولڈر کے چندہ یا پریمیم ادا کرنے سے اور دوسرا وقف کی طرف سے تلافی نقصان سے۔ اس لئے پالیسی ہولڈر کو اختیار ہے کہ وہ ان دو میں سے کسی بھی تعلق کا حوالہ دے کر تلافی کا مطالبہ کرے۔ غرض وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں وقت وقف پول کو اتنی رقم کا پریمیم دیا تھا جس کی وجہ سے میرے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وقف کے قواعد وضوابط کی بنیاد پر میں نقصان کی تلافی کا حقدار ہوں اور دونوں صورتوں میں وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر کے درمیان معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے میں کچھ اشکال نہیں رہتا۔

معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے پر مندرجہ ذیل دو باتیں بھی واضح دلیل ہیں۔

i- چندے کی کمی و زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کی کمی و زیادتی۔

ii- پریمیم ادا کرتے وقت پالیسی ہولڈر کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اسے اس کے بدلے کچھ نہ کچھ ملے بلکہ اگر اس کا نقصان زیادہ ہو تو زیادہ ملے۔ اور اس پر کھلا قرینہ یہ ہے کہ خواہ اسلامی انشورنس ہی ہو آدمی اسی غرض سے کراتا ہے اور ساری لکھت پڑھت کرتا ہے کہ اس کے نقصان کی تلافی ملے۔

صمدانی صاحب کا اس کے عقد معاوضہ ہونے سے انکار کرنا اور انکار کرنے کی وجہ

صمدانی صاحب معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقف کو چندہ دینا ایک مستقل معاملہ ہے اور وقف کے قواعد کیمطابق چندہ دینے والے کا نقصان کی تلافی کرانے کا حقدار ٹھہرنا بالکل دوسرا معاملہ ہے۔'' (تکافل ص 106)

عقد معاوضہ کی نفی کرنے کی خاطر صمدانی صاحب پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان معاملات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس فنڈ کے اندر وہ (یعنی پالیسی ہولڈرز) اس لئے رقم جمع کرا رہا ہوتا ہے کہ اس پول میں موجود افراد (یعنی دیگر پالیسی ہولڈرز) میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اس کی رقم کو بھی اس نقصان کے پورا کرنے کیلئے استعمال کیا جا سکے اور مجموعی طور پر اگر اسے بھی کوئی نقصان ہو تو دوسرے شرکاء بھی اس پر تیار ہیں کہ ان کے پریمیم سے اس کا نقصان پورا کیا جائے لیکن یہ شرط نہیں کہ میں اس لئے پریمیم دے رہا ہوں کہ میرا نقصان پورا کیا جائے کیونکہ مجھے نقصان ہونے کا یقین نہیں اور نہ ہی دوسرے افراد کو یقین ہے بلکہ نقصان کے احتمال کی بنیاد پر یہ رقم جمع کی جا رہی ہے'' (تکافل ص 114)

''پالیسی ہولڈر کے نقصان کو پورا...... کرنے کی ذمہ داری پالیسی ہولڈر کے تبرعات سے وجود میں آنے والے حوض (پول) پر ہوتی ہے۔ (تکافل) کمپنی یہ کہتی ہے کہ یہ پول تمہارا نقصان پورا کرے گا اگر اس کے اندر نقصان پورا کرنے کی گنجائش ہوئی تو آپ کے نقصان کی تلافی کر دی جائے گی اور اگر پول کے اندر گنجائش نہ ہوئی تو یہ نقصان پورا نہیں کیا جائے گا (تکافل ص 115)

ہم کہتے ہیں

صمدانی صاحب کی یہ بات کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

1- صمدانی صاحب نے پالیسی ہولڈر کے رقم جمع کرانے کی جو تاویل کی ہے وہ محض ان کی اختراع ہے جو ان کی دیگر تصریحات کے خلاف ہے۔ اس بات کی تصریح پہلے گزر چکی ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جمع کرائی ہوئی رقم وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کا اب اس رقم سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اب وقف فنڈ پر ہے کہ وہ اس کو اپنے قواعد و ضوابط کے مطابق خرچ کرے۔ لیکن صمدانی صاحب اس کو وقف فنڈ کے ملکیتی ہونے کے بجائے اس کے پاس امانت ہونے کو بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ''اس پول میں موجود افراد میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اس کی رقم کو بھی اس نقصان کے پورا کرنے کیلئے استعمال کیا جا سکے'' حالانکہ اب وہ اس کی رقم تو رہی نہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی لکھتے ہیں ''امانت کا عقد جس کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کی رقم کمپنی کے پاس (یا وقف فنڈ کے پاس) بطور امانت آ جاتی ہے'' (تکافل ص 114)

2- تکافل کمپنی کے ساتھ پالیسی ہولڈر جو بھی معاملہ کرتا ہے وہ درحقیقت ایک مکمل معاملہ ہے یعنی یہ کہ پالیسی ہولڈر یہ معلوم کر کے کہ وقف فنڈ سے اس کے موہوم نقصان کی تلافی ملتی ہے وہ اس کے لالچ میں تکافل کمپنی سے یکبارگی مکمل معاملہ کرتا ہے۔ لیکن صمدانی صاحب اس معاملہ کے حصے بخرے کرتے ہیں اور ہر حصہ کی علیحدہ علیحدہ تاویل کر کے اس کو سیدھا دکھانے کے درپے ہیں۔

3- اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ وقف فنڈ خود ایک شخص قانونی ہے اور وقف فنڈ کو جو چندہ دیا جائے وہ اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے تو صمدانی صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہو گا کہ وقف فنڈ زید سے کہتا ہے کہ تم مجھے اتنا چندہ دو تو میں بشرط موجودگی وسائل تمہارے ممکنہ نقصان کی تلافی کروں گا اور زید یہ جانتے ہوئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا نقصان ہو اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ وقف فنڈ کی ملکیت میں تلافی کیلئے رقم ہو سکتا ہے ہو اور ہو سکتا ہے نہ ہو چندے کی رقم وقف فنڈ میں جمع کراتا ہے۔

صمدانی صاحب کی اس بات کا خلاصہ نکالیں تو یہ نکلے گا کہ زید موہوم تلافی کی خاطر وقف فنڈ کو چندہ دیتا ہے۔ یہ بات عقد معاوضہ ہونے کے منافی بھی نہیں اور علاوہ ازیں قمار ہونے پر بھی صریح دلیل ہے۔

4- ایک اور پہلو جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جانب سے وقف فنڈ کو عطیہ و چندہ دیا جاتا ہے لیکن شرط فاسد کے ساتھ یعنی موہوم تلافی کی شرط کے ساتھ۔ اب کوئی کہے کہ ہدیہ و چندہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اور اس سے یہ ہوتا ہے کہ چندہ دینے کی بالکل مستقل اور غیر مشروط حیثیت بن جاتی ہے اس لئے پالیسی ہولڈر اس کی بنیاد پر تلافی نقصان کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اور وقف فنڈ کی جانب سے نقصان ایک بالکل الگ اور مستقل معاملہ ہے جو واقف کی شرائط کے تحت ہے۔

ہم کہتے ہیں اتنی بات تو درست ہے کہ پالیسی ہولڈر کا دیا ہوا چندہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہو گا۔ اور وہ موہوم تلافی کا حقدار نہیں ہو گا۔ لیکن اگر وہ

اس کے باوجود نقصان کی تلافی وصول کرتا ہے تو اب یہ سارا معاملہ ایک ہو کر فاسد ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب زید بکر کو کہے کہ میں تمہیں ایک ہزار روپے کا قرض اس شرط سے دیتا ہوں کہ تم مجھے اس کے گیارہ سو واپس کرو گے۔ بکر نے ایک ہزار روپیہ وصول کر لیا۔ اس حد تک تو معاملہ صحیح ہوگا اور شرط فاسد خود باطل ہو جائے گی لیکن اگر بکر نے گیارہ سو واپس کئے اور زید نے وہ قبول کر لئے تو یہ سب معاملہ ایک ہو کر سود کا ہو جائیگا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید کا قرض دینا بھی درست ہوا اور چونکہ شرط فاسد باطل ہو گئی تھی لہذا بکر نے جو سو روپے زائد واپس کئے وہ اس شرط کے تحت نہیں آتے بلکہ وہ ایک نیا ہبہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان عقد معاوضہ واقع ہوتا ہے اور تکافل یا اسلامی انشورنس کے تحت یہ معاملہ سود، قمار اور غرر پر مشتمل ہے۔

تکافل سے ہٹ کر مروجہ انشورنس میں بھی یہی تین خرابیاں جو خود صمدانی صاحب یوں ذکر کرتے ہیں۔

''مروجہ انشورنس کے اندر بنیادی طور پر تین خرابیاں موجود ہیں۔

1-ربا(Interest)

2-قمار(Gambling)

3-غرر(Uncertainty) (تکافل ص120)

صمدانی صاحب چونکہ تکافل کے عقد تبرع ہونے پر پختہ ہیں اس لئے وہ اس کو ہر مرض کی دوا سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

مروجہ انشورنس میں ہونے والا معاملہ عقد معاوضہ تھا جس کی وجہ سے درج بالا خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اسلامی انشورنس میں اسے عقد تبرع میں تبدیل کر دیا گیا جس سے ربا (سود) کی خرابی تو بالکل ختم ہو گئی کیونکہ سود اسی صورت میں پایا جاتا ہے جب دو چیزوں کی تبدیلی عقد معاوضہ کی بنیاد پر ہو۔ جب معاملہ معاوضہ کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ کوئی شخص اپنی طرف سے تبرعاً زیادہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے مثلاً کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دیئے۔ پھر کسی موقع پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دو سو روپے ہدیے کے طور پر دے دیئے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا اور اسے ربا نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے آپ کو سو روپے اس شرط پر نہیں دیئے تھے کہ آپ اسے کچھ بڑھا کر واپس کریں گے......

باقی دو خرابیاں غرر اور قمار کی ہیں۔ ان دونوں کی بنیاد غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) پر ہے۔ ظاہر ہے کہ غیر یقینی کیفیت تکافل کے اندر بھی موجود ہے کیونکہ اس میں پالیسی ہولڈر ایک ایسے نقصان کی تلافی کیلئے پریمیم جمع کراتا ہے جس کا پایا جانا غیر یقینی ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ پالیسی ہولڈر کو وہ نقصان پیش آئے گا یا نہیں؟

لیکن اسلامی تکافل کے اندر اس غیر یقینی کیفیت سے عقد ناجائز نہیں ہوتا کیونکہ اس کی بنیاد عقد تبرع پر ہے اور تبرعات کے اندر غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں جبکہ عقود معاوضہ کے اندر ممنوع ہے۔

اس کو بذریعہ مثال یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً میرے پاس ایک تھیلی میں کچھ رقم ہے میں کسی دکاندار سے ایک پنکھا خریدتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ اس کی قیمت وہ رقم ہے جو اس تھیلی میں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ دکاندار کو معلوم نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے لہذا اس کے اعتبار سے قیمت مجہول (غیر معلوم) ہے اور بیع کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی قیمت فریقین کو معلوم ہو، لیکن اگر میں کسی طالب علم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ امتحان میں اول آ گئے تو جو رقم اس تھیلی میں ہے وہ تمہیں انعام کے طور پر دوں گا تو یہ صورت جائز ہے حالانکہ یہاں بھی جہالت اور غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) موجود ہے لیکن چونکہ یہ عقد تبرع ہے اس لئے یہاں جہالت اور غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں۔ اس طرح جب ہم نے انشورنس کا ڈھانچہ بدل دیا تو یہاں پر بھی غیر یقینی کیفیت پائے جانے کے باوجود معاملہ ناجائز نہیں ہوگا۔'' (تکافل ص122 ,121)

ہم کہتے ہیں

صمدانی صاحب نے یہاں بھی وہی کام کیا ہے کہ معاملہ کے حصے بخرے کئے اور پھر ہر حصہ کی جائز ہونے کو مثال سے ذکر کر دیا۔ معاملہ کی جو مجموعی صورت ہے اس پر نظر کرنے پر وہ آمادہ ہی نہیں ہیں حالانکہ یہاں اصل تو مجموعی صورت ہی ہے۔

دیکھئے صمدانی صاحب نے تبرع کی یہ مثال دی ہے کہ کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے، پھر کسی موقع پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا۔ اس مثال سے صمدانی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تکافل میں بھی تبرع ہوتا اس لیے وہ جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ صمدانی صاحب کی یہ مثال تکافل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال تو یوں بنتی ہے کہ زید بکر سے کہے کہ اگر تم مجھے سو روپے ہدیہ کرو گے تو وسائل کے ہونے کی صورت میں کبھی تمہیں ضرورت پڑی تو میں تمہیں دس ہزار روپے دوں گا۔ اس کو کون محض عقد تبرع کہے گا اور عقد معاوضہ نہ سمجھے گا پھر جب کہ وقف فنڈ اور تکافل کمپنی قانونی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے قواعد وضوابط اور اغراض و مقاصد کو قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ اور پختہ عقد معاوضہ بنے گا۔

عملی خرابیاں

1- کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے۔

تکافل کمپنی لکھتی ہے۔

The Company shall act as a Mudarib for the purpose of managing the investment of Participant's contribution. As such, the Company stands entitled to a share in the investment income there of as Mudarib.

ترجمہ: شریک یعنی پالیسی ہولڈر کے چندے سے حاصل ہونے والے سرمایہ میں تکافل کمپنی مضارب کی حیثیت سے کام کرے گی اور اس طرح سے حاصل ہونے والے نفع میں مضارب کی حیثیت سے حصہ دار ہوگی۔

ہم کہتے ہیں

کمپنی جو خود واقف بھی ہے اور متولی بھی ہے وہ خود مضارب نہیں بن سکتی کیونکہ مضاربت دو فریقوں کے درمیان ایسا عقد ہوتا ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہوتا ہے اور دوسرے کی جانب سے عمل ہوتا ہے۔ چونکہ کمپنی وقف فنڈ کی متولی ہے لہٰذا وہ رب المال ہے اور وہ مضارب نہیں بن سکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ کمپنی تو پالیسی ہولڈروں کے سرمایہ میں مضارب کے طور پر کام کرتی ہے لہٰذا رب المال تو پالیسی ہولڈر ہوئے۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ پالیسی ہولڈر جو چندہ دیتے ہیں وہ وقف کی ملکیت ہوتا ہے اور کمپنی اس کی بھی متولی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں کمپنی نے وقف فنڈ کے لئے جو سرمایہ فراہم کیا ہے اس میں بھی تو کمپنی ہی مضاربت کے طور پر کام کرے گی تو کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنی جو صحیح نہیں۔

اس کے جواب کے طور پر مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں

والظاهر انه لا مانع من كونها متولية للوقف و مضاربة في اموالها في وقت واحد بشرط ان تكون المضاربة بعقد منفصل و بنسبة من الربح لا تزيد عن نسبة ربح المضارب في السوق فان الفقهاء اجازوا لناظر الوقف ان يستاجر ارض الوقف باجرة المثل عند بعضهم و بما يزيد على اجرة المثل عند آخرين (الفتاوى الهندية ج 2 ص 421) فيمكن ان تقاس عليه المضاربة و ان لم أره في كلام الفقهاء بصراحة.

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ کمپنی ایک ہی وقت میں وقف فنڈ کی متولی بھی ہو اور اس کے اموال میں مضارب بھی ہو اس سے کوئی مانع نہیں ہے جبکہ ایک تو مضاربت کا عقد جدا ہوا ہو اور دوسرے کمپنی کا نفع میں حصہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ نہ ہو کیونکہ فقہاء نے وقف کے ناظر کیلئے جائز بتایا ہے کہ وہ وقف کی زمین کو خود اجرت مثل یا اس سے زائد کے عوض کرایہ پر لے لے۔ اس پر مضاربت کو قیاس کیا جا سکتا ہے اگرچہ اس کی تصریح مجھے فقہاء کے کلام میں نہیں ملی۔

ہم کہتے ہیں

یہ بات غور طلب ہے کہ فقہاء نے ناظر کیلئے وقف زمین کو اجرت پر لینے کے جواز کی تصریح کی اور ناظر کے مضارب بننے کے جواز کی تصریح نہیں کی۔ آخر ان دونوں میں کچھ فرق ہوگا تب ہی تو فقہاء نے بظاہر فرق رکھا ہے

اور وہ فرق یہ ہے کہ وقف اراضی کوئی غصب کر لے تو اگرچہ وہ اجرت پر دینے کیلئے نہ ہو تب بھی غاصب کو اس کی اجرت مثل دینی ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر ناظر یا متولی وقف کی اراضی کو خود اجرت پر لے لے تو اگرچہ وہ معروف طریقے پر اجارہ نہیں ہے لیکن اجرت مثل واجب ہونے سے اس معاملہ کو مجازاً اجارہ کہہ دیا۔ مضاربت میں حقیقی یا مجازی کوئی بھی صورت نہیں بنتی اس لئے مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا ممکن نہیں ہے۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ بھی اس قیاس پر پوری طرح مطمئن نہیں ہیں اس لئے وہ ایک متبادل صورت بھی بتاتے ہیں اگرچہ تکافل کمپنی نے عملاً پہلی ہی صورت کو اختیار کیا ہے۔ مولانا مدظلہ متبادل صورت یہ لکھتے ہیں:

ولئن كان هناك شك في جمع الشركة بين تولية الوقف و بين المضاربة فيمكن ان يكون احد مديري الشركة او احد موظفيه متوليا للوقف بصفته الشخصية ويستاجر الشركة لادارة الصندوق باجر و يدفع اليها الاموال للاستثمار على اساس المضاربة.

ترجمہ: اگر کمپنی کے بیک وقت متولی وقف ہونے اور مضارب ہونے میں کچھ شک ہو تو جو متبادل صورت ممکن ہے وہ یہ ہے کہ کمپنی کے ڈائریکٹروں یا منیجروں میں سے ایک اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف کا متولی ہو جائے اور وہ وقف فنڈ کے انتظام کیلئے کمپنی کو اجرت پر لے لے اور وقف کے اموال بھی مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے حوالے کر دے۔

ہم کہتے ہیں

یہ تو پہلے سے بدتر صورت ہے اور آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کا مصداق ہے کیونکہ۔

مولانا مدظلہ لکھ چکے ہیں کہ **تنشئ شركة التامين الاسلامي صندوقا للوقف و تعزل جزءا معلوما من راس مالها يكون وقفا** (اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف فنڈ قائم کرتی ہے) جس کا مطلب ہے کہ پہلے کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے سرمایہ سے وقف فنڈ کو قائم کرتی ہے۔

پھر مولانا مدظلہ کے بقول کمپنی ایک قانونی شخص ہے جس میں ڈائریکٹران کی ذاتی شخصیت گم ہو جاتی ہے اور تمام حقوق و ذمہ داریوں کی نسبت کمپنی کے قانونی شخص کی طرف کی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی ڈائریکٹر کمپنی کا جو بھی کام کرے گا اس کو درحقیقت کمپنی ہی کا کرنا کہیں گے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی وقف فنڈ قائم کر کے واقف بن گئی۔

اب مولانا کہتے ہیں کہ ایک ڈائریکٹر اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف فنڈ کا متولی بن جائے۔ لیکن جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب کمپنی کے کام کے اعتبار سے ڈائریکٹر کی ذاتی شخصیت کمپنی میں گم ہے اور اس کا کرنا کمپنی کا کرنا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ واقف بننے کے بعد کمپنی اپنے آپ کو ایک نئے معاملہ کے ساتھ متولی بناتی ہے۔ پھر مولانا مدظلہ کی اس تجویز کے مطابق کمپنی ہی خود سے انتظام کیلئے اجرت پر معاملہ بھی کرتی ہے اور سرمایہ کاری کیلئے مضاربت کا معاملہ بھی کرتی ہے۔ غرض مولانا مدظلہ کی باتوں سے وہی الزام ثابت ہوا جو ہم نے ان پر عائد کیا تھا کہ مولانا نے کمپنی کو رب المال اور مضارب دونوں ہی بنا دیا جو جائز نہیں۔

2-وقف یا اس کی ملکیت کو ختم کرنا

تکافل کمپنی کہتی ہے

This Policy may at any time be terminated at the option of the Company on14 days' notice to that effect being given to the Participant............. In that case, the Participant shall be given an amount equivalent to a rateable proportion of the contribution for the unexpired Period of policy from the date of such cancellation. This policy may aslo be terminated at any time at the request of the Participant, in which case the Participant will be paid an amount equivalent to the actual contribution made initially by him / her, less the amount worked as per the following scale.

ترجمہ: یہ تکافل پالیسی کمپنی کے اختیار پر کسی بھی وقت 14 دن کے نوٹس پر ختم کی جاسکتی ہے......اس صورت میں پالیسی ہولڈر کو بقیہ مدت کی نسبت سے چندے کی جتنی رقم بنتی ہے واپس کی جائے گی۔ پالیسی ہولڈر کی درخواست پر بھی یہ پالیسی ختم کی جاسکتی ہے اور اس صورت میں دیئے گئے سکیل کے مطابق جتنی رقم بنتی ہے وہ منفی کر کے اس کے چندے کی باقی رقم واپس کی جائے گی۔

هم کہتے ہیں کہ

چندے کی رقم وقف کی ملکیت ہے اور شریعت کی رو سے اس کی مالک کو واپسی جائز نہیں نہ کل کی نہ جزو کی۔ اس رقم کو وقف رقم کے نفع کی طرح صرف وقف کے مصالح و مقاصد میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ ایسی کوئی صورت متصور نہیں ہے کہ متولی وقف کی ملکیت مالک کو واپس کر دے یا چندہ دہندہ اس کو واپس لے لے۔